حصولِ علم انسان کا استحقاق ہے

وَهُوَ ٱلَّذِى خَلَقَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلۡأَرۡضَ

''اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا''۔ اس تخلیق کا مقصد کیا ہے؟

لِيَبۡلُوَكُمۡ أَيُّكُمۡ أَحۡسَنُ عَمَلًاۗ

''تاکہ تمہیں آزمائے (ظاہر کرے) کہ تم میں کون عمدہ عمل کرتا ہے'' (حوالہ ھود۔۷)

ٱلَّذِى خَلَقَ ٱلۡمَوۡتَ وَٱلۡحَيَوٰةَ لِيَبۡلُوَكُمۡ أَيُّكُمۡ أَحۡسَنُ عَمَلًاۚ

''اللہ نے مادے اور حیات کو تخلیق کیا تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون عمدہ عمل کرتا ہے'' (حوالہ الملک۔۲)۔

حیات کو موت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ حیات کو شئے (مادے، **Matter**) سے وجود دیتا ہے۔ مادے **(matter)** کو پہلے تخلیق کیا گیا اس لئے کہ اپنے آپ میں مقصود نہیں بلکہ ایک ذریعہ، سبب ہے۔ وہ اپنے لئے نہیں کسی کیلئے ہے۔

إِنَّا جَعَلۡنَا مَا عَلَى ٱلۡأَرۡضِ زِينَةً لَّهَا لِنَبۡلُوَهُمۡ أَيُّهُمۡ أَحۡسَنُ عَمَلًا ۝٧ (الکھف۔۷)

''ہم نے زمین پر جو کچھ بھی ہے اسے اس کی زینت (اس مقصد سے) بنایا ہے تاکہ انہیں آزمائیں کہ ان میں سے کون عمدہ عمل کرتا ہے''

حیات اور موت میں مشاہدے میں آنے والا بنیادی فرق ''حرکت'' ہے۔ زندگی کی خصوصیت متحرک ہونا ہے اور مادہ کو خارج سے متحرک کئے جانے سے ''نفرت'' ہے کہ یہ **"inertia"** کا شکار ہے اور کائنات میں حرکت زندگی کو وقت کا احساس دیتی ہے۔ مردے، مادہ کو وقت کا احساس نہیں۔ زندگی کی پہچان، اساس وقت کا احساس ہے۔ اور وقت کا احساس سماعتوں اور بصارتوں کا مرہون منت ہے، لمس، ذائقہ اور شامہ کا نہیں۔ وقت، کائنات کی یہ چوتھی جہت **(fourth dimension)** مادے (موت) اور حیات کو ایک دوسرے سے ممیّز کرتی ہے۔ بشر کی مانند تراشے ہوئے اصنام، سانچے اور ڈھانچے کی نسبت سے، بظاہر بشر کے مثل ہوتے ہیں۔ انسان حیات دیئے جانے سے قبل مانندِ شئے (مادہ) ہوتا ہے۔

أَمۡ خُلِقُواْ مِنۡ غَيۡرِ شَىۡءٍ ''یا کیا وہ شئے کے غیر سے تخلیق ہوگئے ہیں؟

أَمۡ هُمُ ٱلۡخَٰلِقُونَ ۝ یا کیا وہ خود ہی تخلیق کرنے والے ہیں؟'' (الطور۔۳۵)

زندگی سے قبل موت نہیں ہوتی۔ بلکہ زندگی سے قبل انسان کوئی قابل ذکر شئے نہیں ہوتا۔ انسان بھی تخلیق سے قبل اصنام ہی کی مانند مادی شئے یعنی مادہ أَمۡوَٰتًا ہوتا ہے۔

أَوَمَن كَانَ مَيۡتًا فَأَحۡيَيۡنَـٰهُ ''اور کیا وہ جو مادی (کوئی قابل ذکر) شئے تھا پھر ہم نے اسے حیات دی'' (حوالہ الانعام ۱۲۲)

لیکن انسان کے ہاتھوں تخلیق کردہ اصنام ایک وجود، شکل اور نام پانے کے باوجود رہتے مادہ، شئے ہی ہیں

أَمۡوَٰتٌ غَيۡرُ أَحۡيَآءٍۖ ''یہ مردہ ہیں، حیات کے غیر ہیں'' یعنی یہ جماد (پتھر) تراشے ہوئے اصنام ہیں۔ (حوالہ النحل۔۲۱)

حیات کی حامل ذات، ہستی وہ ہے جو سَمِيعًا بَصِيرًا ہو۔

إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ''یقیناً اللہ ہمیشہ ہمیشہ سے سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے''

وَكَانَ ٱللَّهُ سَمِيعًا بَصِيرًا ''اور اللہ ہمیشہ ہمیشہ سے سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے'' (النساء ۵۸، ۱۳۴)۔

انسان بھی ذات اور ہستی کا مالک ہے

فَجَعَلۡنَـٰهُ سَمِيعًا بَصِيرًا ''اس لئے ہم نے اسے سننے اور دیکھنے والا بنایا ہے'' (الانسان۔۲)

اور اللہ تعالیٰ کو اس پر اختیار اور قدرت ہے کہ وَلَوۡ شَآءَ ٱللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمۡعِهِمۡ وَأَبۡصَـٰرِهِمۡۚ

''اور اگر اللہ چاہتا تو ان کی سماعتیں اور بصارتیں ہی سلب کر لیتا'' (حوالہ البقرۃ۔۲۰)

قُلۡ أَرَءَيۡتُمۡ إِنۡ أَخَذَ ٱللَّهُ سَمۡعَكُمۡ وَأَبۡصَـٰرَكُمۡ

''آپ (ﷺ) کہیں'' کبھی تم نے یہ بھی سوچا کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری سماعت اور تمہاری بصارت تم سے چھین لے۔

مَّنۡ إِلَـٰهٌ غَيۡرُ ٱللَّهِ يَأۡتِيكُم بِهِۗ

''تو اللہ کے سوا کون الہٰ ہے جو یہ قوتیں تمہیں واپس دلا سکتا ہو؟'' (حوالہ الانعام۔۴۶)

ٱلۡمُشۡرِكِينَ بھی اس بات کا اعتراف کرتے ہیں

أَمَّن يَمۡلِكُ ٱلسَّمۡعَ وَٱلۡأَبۡصَـٰرَ ''یا کون سماعتوں اور بصارتوں پر اختیار رکھتا ہے؟''

فَسَيَقُولُونَ ٱللَّهُۚ تو وہ کہیں گے ''اللہ'' (حوالہ سورۃ یونس۔۳۱)۔ ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا تھا

يَـٰٓأَبَتِ لِمَ تَعۡبُدُ مَا لَا يَسۡمَعُ وَلَا يُبۡصِرُ

'ابا! آپ اُس کی عبادت کیوں کرتے ہیں جو نہ سنتا ہے اور نہ ہی دیکھتا ہے'' (حوالہ سورۃ مریم۔۴۲)

قَالَ هَلۡ يَسۡمَعُونَكُمۡ إِذۡ تَدۡعُونَ ﴿٧٢﴾

(ابراہیم علیہ السلام نے قوم سے) پوچھا'' کیا وہ تم لوگوں کو سنتے ہیں جب تم انہیں پکارتے ہو؟'' (الشعراء۔۷۲)

ان کا جواب نفی میں تھا اور اس کے باوجود کھلی گمراہی کو جواز یہ بتاتے تھے

قَالُواْ بَلْ وَجَدْنَآ ءَابَآءَنَا كَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ (٧٤)

''انہوں نے کہا ''نہیں! (وہ نہیں سنتے اور رہی بات گمراہی کی) ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسے ہی کرتے پایا ہے'' (الشعراء۔۷۴)

کائنات کی تخلیق اور حیات وموت کا مقصد یہ دیکھنا اور ظاہر کرنا ہے کہ **أَحْسَنُ عَمَلًا** عمدہ عمل کون کرتا ہے۔

لفظ **أَحْسَن** کا مادہ ''ح س ن'' اور اس کے معنی اعضاء کا صحیح صحیح تناسب اور توازن میں ہونا ہے۔لہٰذا حُسن کے بنیادی معنی تناسب و توازن کا قائم رہنا ہیں جس کی بناء پر چیزیں نگاہوں کو بھلی، حسین معلوم ہوتی ہیں۔اور **عَمَلًا** کا مادہ ''ع م ل'' ہے جس کے معنی کام کاج ہیں۔ عمل، فعل اس کام کو کہتے ہیں جو فکر وتدبر اور علم وارادہ کے ساتھ سرزد ہو۔ ''عمل'' درحقیقت علم کی مقلوب شکل ہے اس لئے ''عمل'' ہمیشہ دانستہ ہوتا ہے کیونکہ یہ سرزد ہو ہی نہیں سکتا جب تک اس کے متعلق ''علم'' عقل، یاداشت **(Memory)** میں محفوظ نہ ہو۔لہٰذا احسن عمل کیلئے لاینفک شرط علم ہے جن کے حصول کا ذریعہ سماعتیں، بصارتیں اور دل و دماغ ہیں۔اور عمل جو عقل کا مرہون منت ہے زندگی کا مظہر ہے۔ یہ ''عمل'' ''ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسے ہی کرتے پایا ہے'' انسان کے حوالے سے عمل کا درجہ نہیں پا سکتا کیونکہ علم کے تابع نہیں بلکہ تقلید **(procedural memory)** ہے۔ ''ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسے ہی کرتے پایا ہے'' درحقیقت وہ ''علم'' ہے جو ہر جانور اپنی پیدائش کے وقت ساتھ لے کر پیدا ہوتا ہے۔لیکن انسان خود مختار اور مکرم ہے اس لئے پیدائش کے وقت ''کسی شئے کا علم نہیں رکھتا''۔انسان کی حرکات **(actions,movements)** فعل اور عمل کہلاتی ہیں لیکن قرآنِ مجید نے جانوروں کے امور، حرکات کیلئے لفظ ''فعل'' اور ''عمل'' استعمال نہیں کیا۔ علم سماعتوں اور بصارتوں سے ہر لمحہ فیض یاب ہونے کا نام ہے اور تقلید عقل وفکر کے ارد گرد ایسا حصار بنا دیتی ہے جس میں انسان قید اور جکڑے رہنے کی بناء پر سماعتوں سے فیض نہیں اٹھا سکتا اور یوں اس کی مثال چوپایوں جیسی ہو جاتی ہے جو اردگرد کے ماحول سے غافل بیٹھے جگالی کرتے رہتے ہیں۔یہ نازل کردہ کتاب کی طرف بلائے جانے پر آباؤ اجداد کی ڈگر کو جواز بناتے ہیں۔ان کی مثال بتائی

وَمَثَلُ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ كَمَثَلِ ٱلَّذِى يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَآءً وَنِدَآءً

''اور جو لوگ انکار کرتے ہیں ان کی مثال ان جیسی ہے جو (چرواہے کے بلانے پر بھیڑ بکریوں کے ریوڑ کی طرح) بلانے پر سماعتوں سے ٹکرانے والی پکار اور اونچی آواز کے کچھ نہیں سنتے

صُمٌّ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ○

وہ بہرے، گونگے اور اندھے ہیں سو (نتیجہ یہ ہے کہ) وہ عقل استعمال نہیں کرتے'' (البقرۃ۔۱۷۱)

بات سماعت سے عقل تک نہ پہنچے تو یہ محض اونچی آواز ہے جس میں الفاظ بھی نہ ہوں اور انجام سماعت کے پردے پر ارتعاش کے علاوہ کچھ نہیں۔ اسلیئے ایسے لوگوں کو چوپایوں کی مانند قرار دے کر فرمایا

بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا ''نہیں! حقیقت یہ ہے کہ ان سے زیادہ راہ سے غافل ہیں'' (حوالہ الفرقان۔۴۴)۔

کیوں راہ سے زیادہ غافل ہیں؟ يَنْعِقُ نے وجہ بیان کر دی ہے۔ يَنْعِقُ کا مادہ ''ن ع ق'' اور معنی معنی چرواہے کا بھیڑ بکریوں کو ھانکنے کے لئے جھڑکنا اور آوازیں دینا ہیں (تاج، محیط وابن فارس)۔ چرواہے کی یہ آواز محض پکار ہوتی ہے جس میں وہ الفاظ استعمال نہیں کرتا۔ لیکن یہ بھیڑ بکریاں چرواہے کی بے معنی آواز پر نقل وحرکت کرتی ہوئی راستے کو پا ہی لیتی ہیں۔ چاہے باپ دادا کسی شئے کے متعلق معلومات نہیں جانتے تھے جس کی بناء پر اس کے متعلق عقل وفکر سے کام نہیں لے سکتے تھے ان کی اندھی تقلید کرنے والوں کی مماثلت ان بھیڑ بکریوں سے کی گئی ہے جو چرواہے کی آواز پر نقل وحرکت کرتی ہیں۔ مہذب معاشرہ بھی بلا جھجک ایسے شخص کو ضدی اور ہٹ دھرم قرار دیتا ہے جو بلا سوچے سمجھے باپ دادا کی روایات کی تقلید پر بضد اور علم وعقل کی بات پر غور وفکر کیلیئے رضامند ہی نہ ہو۔

راست اور کج کا فیصلہ صرف اور صرف کتاب پر موقوف ہے۔ کسی بھی بات اور طریقے کی پیروی کو آباؤ اجداد سے منسوب کرنا اس طریقے کے صحیح ہونے کی سند نہیں بن جاتا اور نہ ہی اس روش پر کاربند رہنے کیلیئے اسے جواز اور دلیل بنایا جاسکتا ہے۔ محض قدیم ہونے کی بناء پر کسی بھی بات اور شئے کو تقدیس کی چادر نہیں اوڑھائی جاسکتی اور اگر اوڑھادی جائے تو یہ لوگوں کی عقل وفہم کے گرد ایک حصار بنا دے گی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

وَيَجْعَلُ ٱلرِّجْسَ عَلَى ٱلَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ

''جو لوگ عقل وفکر سے کام نہیں لیتے اللہ ان پر رجس ڈال دیتا ہے'' (حوالہ یونس۔۱۰۰)

ٱلرِّجْسَ کا مادہ ''ر ج س'' اور اس کے بنیادی معنی اختلاط اور التباس ہیں۔ گندگی، غلاظت کو بھی رجس اس لئے کہتے ہیں کہ لتھڑ اور چپک جاتی ہے۔ پلیدی، شک، اضطراب، التباس، دل کی تنگی، تعصب، تنگ نگہی، ضد، ہٹ دھرمی، عقل وفکر سے کام نہ لینا رِجْسٌ کے معنی ہیں۔

خالق کو اپنی تخلیق کا مکمل علم ہے۔

وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِۦٓ إِلَّا بِمَا شَآءَ

''اور اس کے علم میں سے (خود) کچھ بھی نہیں پا سکتے سوائے اس علم کے جو وہ دینا چاہے'' (حوالہ البقرۃ۔۲۵۵)

عام فہم بات ہے کہ شئے کا جو خالق نہیں وہ شئے کے متعلق علم اُس کے خالق ہی سے حاصل کر سکتا ہے بشرطیکہ خالق وہ علم کسی کو دینا بھی چاہے کیا اس بات میں کسی کو کوئی اعتراض ہو سکتا ہے؟ اگر اعتراض ہے تو اس کیلئے استحقاق کیا ہے؟ اگر آپ نے کوئی شئے تخلیق کی ہے تو کیا آپ اُس کے متعلق تمام علم، ٹیکنالوجی مجھے مفت میں دے دیں گے؟ (اگر آپ کا ذوالقرنین جیسا ظرف ہے تو اس سوال کو میں واپس لیتا ہوں اور معذرت قبول کریں)۔ یہ شئے کے خالق کی مرضی ہے کہ اپنی تخلیق کے متعلق جس قدر معلومات دینا چاہے وہ دوسروں کو دے کیونکہ ان معلومات پر کسی کا استحقاق نہیں۔ اس بات میں کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا کہ اعتراض کیلئے استحقاق کوئی نہیں۔

لیکن جب انسان کی تخلیق کا مقصد أَحْسَنُ عَمَلًا ہو تو انسان کا استحقاق بن جاتا ہے کہ علم حاصل کر سکے اور اس پر تعقل کرنا بھی اس کیلئے اُن مہیا کردہ اسباب، وسائل سے ممکن ہو۔ علم شئے کا ہے اور خالق کو اپنی تخلیق کا مکمل علم ہوتا ہے۔ انسان کو کیسے ہو؟

وَجَعَلَ لَكُمُ ٱلسَّمْعَ وَٱلْأَبْصَـٰرَ وَٱلْأَفْـِٔدَةَ

''اور تمہارے لئے کان، آنکھیں اور دل و دماغ بنائے'' (حوالہ السجدہ۔۹)

خالق، اللہ تعالیٰ کے علم اور انسان، ملائکہ، جنات کے علم میں فرق کیا ہے؟ مخلوق کیلئے علم کا حصول شئے کے ظاہر ہونے کا مرہون منت ہے ان سے جو چیزیں چھپی ہیں اللہ تعالیٰ کو ان کا علم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا علم غیب پر بھی محیط ہے۔ لیکن اگر خالق اپنی کسی تخلیق کا علم نہ دینا چاہے تو کوئی بھی نہیں جان سکتا۔ فرمایا وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ''اور وہ تو وہ بھی تخلیق کرتا ہے جس کا تم علم نہیں رکھتے'' (حوالہ النحل۔۸)

تخلیق کائنات کا مقصد انسان کا امتحان ہے۔ امتحان عمل کا ہے۔ اور عمل کا محرک یقین ہے۔ گو ہر مقصود پانے کا یقین عمل کا سبب بنتا ہے۔ اور یقین کی منزل پر پہنچنا علم کا محتاج ہے کیونکہ علم سے قبل تو شک اور تذبذب ہے۔ اس لئے خالق کا فعل تھا کہ انسان کو علم کی نعمت عطا فرمائے

ٱقْرَأْ بِٱسْمِ رَبِّكَ ٱلَّذِى خَلَقَ ۝١ خَلَقَ ٱلْإِنسَـٰنَ مِنْ عَلَقٍ ۝٢ ٱقْرَأْ وَرَبُّكَ ٱلْأَكْرَمُ ۝٣
ٱلَّذِى عَلَّمَ بِٱلْقَلَمِ ۝٤ عَلَّمَ ٱلْإِنسَـٰنَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝٥

''پڑھ اپنے رب کے نام (الرحمن) کے ساتھ جس نے تخلیق کیا۔ انسان کو مانند ''علق'' میں سے پیدا کیا۔ پڑھ کہ آپ (ﷺ) کا رب مکرم ترین ہے۔ جس نے قلم کے ذریعے سے علم دیا۔ انسان کو سکھایا، علم دیا جو وہ جانتا نہ تھا'' (سورۃ العلق۔۱۔۵)۔ الحمد لله